حقوق ومنافع کی خرید وفروخت کا شرعی حکم

عمر عابدین قاسمی

''حقوق ومنافع'' کی خرید وفروخت سے متعلق کئی صورتیں ہیں جو موجودہ دور میں مروج ہیں، جیسے فضاء کی خرید وفروخت، حق تصنیف وتالیف، حق ایجاد، ٹریڈ مارک، تجارتی لائسنس اور حق طباعت وغیرہ، ان تمام پر الگ الگ گفتگو آگے ہوگی، پہلے مسئلہ کا تعارف اور اس کی نوعیت پیش کی جاتی ہے۔

''بیع'' کی تعریف فقہاء نے عام طور پر الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ یہ کی ہے کہ: **ھو مبادلة المال بالمال.**(۱) مال سے مال کے تبادلہ کو بیع کہتے ہیں۔

اور ''مال'' کی تعریف کرتے ہوئے فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ وہ شئی جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو، نیز اس کو محفوظ کرنا اور اس کو بہ وقت ضرورت محفوظ کر لینا ممکن ہو،

المراد بالمال ما يميل اليه الطبع و يمكن ادخاره بوقت الحاجة. (۲)

اس تعریف کے اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ فضاء یا حق تصنیف وتالیف وغیرہ ایسے حقوق ہیں جو معنوی امور سے تعلق رکھتے ہیں، کیونکہ ان کو مادی طور پر محفوظ کرنا یا ان پر قبضہ کرنا ممکن نہیں ہے، اس طرح ان پر ''مال'' کا اطلاق نہیں ہوتا، لہٰذا بادی النظر میں اس کی بیع درست نظر نہیں آتی، اور صورت حال یہ ہے کہ موجودہ دور میں بعض حقوق کی خرید وفروخت عام ہو چکی ہے، اس لئے یہ مسئلہ موجودہ حالات میں قابل غور اور لائق بحث ہو گیا ہے، ان مسائل کے سلسلہ میں بنیادی طور پر یہ غور کرنا ہے کہ حقوق ومنافع لائق خرید وفروخت ہیں یا نہیں؟ اگر خرید وفروخت درست ہے تو کون سے حقوق ہیں جن کی خرید وفروخت جائز ہے اور کن کی جائز نہیں؟

اس پر غور وفکر کے لئے ضروری ہے کہ حسب ذیل بنیادی نکات پر غور کیا جائے:

۱۔ بیع (خرید وفروخت) کی حقیقت کیا ہے؟

۲۔ مال کی حقیقت کیا ہے؟

۳۔ قابل ادخار (ذخیرہ کئے جانے کے لائق) ہونے کا کیا مفہوم ہے؟

۴۔ حقوق کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس قسم کے حقوق کی بیع جائز ہے اور کس قسم کے حقوق کی بیع جائز نہیں ہے؟

۵۔ کن حقوق سے دست برداری کا معاوضہ لینا درست ہے اور کن کا نادرست؟

بیع کی حقیقت:

''بیع'' عربی زبان کا لفظ ہے، اور قرآن وحدیث میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے، بیع کے جائز ہونے پر قرآن کی واضح ترین آیت احل اللہ البیع، (البقرۃ: ۲۷۵) ہے، نیز خرید وفروخت سے متعلق اشارہ اس آیت میں بھی ہے:

فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ ،
(الجمعۃ:۱۰)

''جب نماز ادا ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو''

اور کسب معاش کی تمام صورتوں کو شامل کرتے ہوئے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **وجعلنا النہار معاشا،** (النباء: ۱۱) اس میں خرید فروخت داخل ہے۔

بیع کی لغوی تحقیق:

اہل لغت نے بیع کا معنی ''المبادلۃ'' قرار دیا ہے، یعنی ایک شئی کے دوسرے شئی سے تبادلہ کو بیع کہتے ہیں، **البیع فی اللغۃ مطلق المبادلۃ.** (۳)

تاہم ''بیع'' کی لغوی حقیقت کے سلسلہ میں اہل علم کے درمیان ایک نکتہ پر اختلاف ہے اور اس بارے میں دو اقوال منقول ہیں:

۱۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ لغوی اعتبار سے بیع محض تبادلہ کو کہتے ہیں، خواہ تبادلہ مال کا مال سے ہو یا مال کا غیر مال سے، علامہ ابن نجیم مصریؒ (متوفی: ۹۷۰ھ) لکھتے ہیں:

فالمقصود مقابلۃ شئی بشئی سواء کان مالا اولا. (۴)

پس تعریف کا مقصود یہ ہے کہ بیع ایک چیز دوسری چیز کے بدلے میں دینا ہے، چاہے وہ مال ہو یا نہ ہو.

فھو مبادلۃ المال بالمال. (۵)

پس بیع مال کا مال سے تبادلہ ہے۔علامہ منصور البھوتی الحنبلی (م:۱۰۵۱ھ) لکھتے ہیں:

اخذ شئی واعطاء شئی.(۶)

بیع نام ہے لین دین کا۔علامہ علاء الدین المرداوی الحنبلیؒ (م:۸۸۵ھ) لکھتے ہیں:

دفع عوض واخذ معوض.(۷)

کسی چیز کا بدل دینا اور اسے حاصل کرنا۔

الفقه المنهجی علی مذهب الامام الشافعیؒ میں ہے:**مقابلة شئی بشئی سواء کانا مالین ام لا.(۸)**

ایک چیز کا دوسری چیز سے تبادلہ،خواہ وہ دونوں مال ہوں یا نہ ہوں۔

۲۔ بیع کی لغوی حقیقت کے بارے میں دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بیع مال کے مال ہی سے تبادلہ کو کہتے ہیں،چنانچہ اگر مال کا تبادلہ غیر مال سے ہوتو اس پر لغوی اعتبار سے بیع کا اطلاق نہیں ہوگا۔

علامہ ابن الہمام نے فخر الاسلام کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

مبادلة المال بالمال.(۹)

بیع کہتے ہیں:مال کے مال سے تبادلہ کو۔علامہ نوویؒ (م:۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

فهو مبادلةالمال بالمال (۱۰)

پس بیع مال کا مال سے تبادلہ ہے۔علامہ عبدالحمید الشروانی الشافعیؒ لکھتے ہیں:

وهو لغة مقابلة شئی بشئی.(۱۱)

اور وہ لغت میں کسی چیز کا کسی چیز سے تبادلہ کو کہتے ہیں۔

گویا خود بیع کے لغوی معنی میں علماء کی رائیں مختلف ہیں،بعض حضرات کا خیال ہے کہ مطلق تبادلہ کو مال کہتے ہیں،اور دوسری رائے ہے کہ بیع مال کے مال ہی سے تبادلہ کو کہیں گے،اگر مال کا تبادلہ غیر مال سے کیا جائے تو اس پر بیع کا اطلاق نہیں ہوگا۔

بیع۔اصطلاحِ شرع میں:

بیع کی شرعی حقیقت کے بیان میں بھی علماء کی مختلف تعبیرات ملتی ہیں،جو بنیادی طور پر انھیں دونوں لغوی معنوں پر مبنی ہیں:

۱۔ اول یہ کہ ''مال،، سے مراد مادی شئی ہے اور بیع محض مال کے مال سے تبادلہ کا نام ہے، یعنی جب دونوں طرف سے عین ہو جب ہی اس پر بیع کا اطلاق درست ہوگا، لہٰذا ''حقوق و منافع'' کی خرید و فروخت درست نہیں ہوگی اور یہ صورت ''بیع'' کے دائرہ میں نہیں آئے گی، یہ رائے احناف کی طرف منسوب ہے۔

۲۔ دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جس طرح مال کے مال سے تبادلہ کو بیع کہتے ہیں، اسی طرح حقوق و منافع کے عین اور مادی شئی سے تبادلہ کو بھی بیع کہیں گے، گویا کہ اعیان (ٹھوس اشیاء) کی طرح حقوق و منافع کی بیع بھی جائز ہے، یہ دوسرا نقطۂ نظر ائمہ ثلاثہ کا ہے، چنانچہ پہلے اسے ائمہ ثلاثہ ان کی کتب فقہ کے حوالہ سے پیش کیا جاتا ہے:

شوافع کا نقطۂ نظر

بیع کی تعریف کرتے ہوئے فقہ شافعی کے ترجمان علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

وفی الشرع: مقابلة المال بالمال او نحوه. (۱۲)

اور شریعت کی اصطلاح میں بیع کہتے ہیں: مال کے مال سے، یا اس کے مثل سے تبادلہ کو۔ اس عبارت میں ''نحوہ'' (مال کے مثل) سے ''حقوق اور منافع'' کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

اسی طرح علامہ ابن حجر ھیثمیؒ نے بھی بیع کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

شرعا: عقد یتضمن مقابلة مال بمال...... لا ستفادة ملک عین او منفعة مؤبدة. (۱۳)

اور شریعت میں ''بیع،، ایسے معاملہ کو کہتے ہیں جس میں مال کا مال سے تبادلہ ہو۔ عین یا ہمیشہ قائم رہنے والی منفعت سے فائدہ اٹھانے کے لئے۔ اس عبارت میں جو ''منفعۃ مؤبدۃ،، کا لفظ آیا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شروانیؒ لکھتے ہیں:

قوله: مؤبدة'' کحق...... اذا عقد علیه بلفظ البیع. (۱۴)

اور مصنف کا قول ''مؤبدہ'' (قائم رہنے والی منفعت)، جیسے...... کا ''حق'' جبکہ لفظ بیع سے اس پر معاملہ کرے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حقوق کی خرید و فروخت بھی شوافع کے ہاں درست ہے اور بیع کے دائرہ میں آتی ہے۔

از مکافات عمل غافل مشو ☆☆☆ گندم از گندم بروید جو ز جو

فقہ شافعی ہی کے ترجمان علامہ ابن القاسم غزیؒ نے بیع کی تعریف کے سلسلہ میں قول مختار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

فاحسن ما قيل في تعريفه انه تمليك عين مالية بمعاوضة باذن شرعي، او تمليك منفعة مباحة على التا بيد بثمن الي.(۱۵)

بیع کی سب سے بہتر تعریف یہ ہے کہ وہ شریعت کی اجازت کے ساتھ، کسی ذی قیمت ٹھوس چیز کا مالک بنا ہے بدل لے کر، یا کسی جائز اور ابدی منفعت کا مالک بنانا ہے۔

ان صراحتوں سے واضح ہوتا ہے کہ شوافع کے نزدیک اشیاء کے ساتھ ساتھ حقوق اور منافع کی خرید وفروخت بھی جائز ہے اور یہ بھی بیع میں داخل ہے۔

حنابلہ کا نقطۂ نظر

''بیع'' کے سلسلہ میں حنابلہ کا بھی نقطۂ نظر یہی ہے کہ جیسے عینی اشیاء کے تبادلہ کو بیع کہتے ہیں، اسی طرح حقوق ومنافع کی خرید وفروخت کو بھی بیع کہا جائے گا۔ مشہور حنبلی فقیہ علامہ ابن النجار فتوحیؒ (م:۹۷۲ھ) بیع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البيع :مبادلة عين مالية او منفعة مباحة مطلقا باحداهما.(۱۶)

بیع مالیت کی حامل عین یا مباح منفعت کا مطلقاً ان دونوں میں سے ایک سے تبادلہ کرنا ہے۔ اسی طرح فقہ حنبلی کے ترجمان علامہ علاء الدین مرداویؒ (م: ۸۸۵ھ) حنابلہ کا نقطۂ نظر وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو عبارة عن تمليك عين مالية او منفعة مباحة على التابيد بعوض مالي. (۱۷)

بیع مالیت کے حامل عین یا ہمیشہ قائم رہنے والی مباح منفعت کو مالی عوض کے بدلہ فروخت کرنے کو کہتے ہیں۔ یعنی بیع نام ہے کسی عینی قیمت والی شئی یا جائز منفعت کا کسی مالی عوض کے بدلہ میں کسی کو ہمیشہ کے لئے مالک بنادینے کا، علامہ بہوتی نے بھی تقریباً یہی کیا ہے۔ ان کی عبارت یوں ہے:

و شرعا: مبادلة مال، ولو في منفعة، او منفعة مباحة كممر بمثل احدهما...... على التابيد.(۱۸)

شرعاً بیع مال کا مال سے تبادلہ ہے، اگر چہ منفعت یا مباح منفعت کا جو ہمیشہ رہنے والی ہو، اس کے مثل سے تبادلہ کیا جائے، جیسے گزرگاہ کی بیع۔ ان تفصیلات سے واضح ہے کہ حنابلہ کے نزدیک بھی اعیان (مادی اشیاء) کے ساتھ حقوق اور منافع کی خرید وفروخت بھی بیع میں داخل ہے۔

مالکیہ کا نقطۂ نظر:

فقہاء مالکیہ نے عام طور پر بیع کی جو تعریف کی ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک منافع اور حقوق بیع کے دائرہ میں نہیں آتے، لہٰذا بظاہر ان کے نزدیک بھی ان کی خرید وفروخت درست نہیں ہوگی، لیکن علماء مالکیہ کے یہاں بعض ایسی جزئیات ملتی ہیں جن سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ بھی منافع اور حقوق کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں۔

معروف مالکی عالم ابن عرفہؒ نے بیع کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

عقد معاوضة علی غیر منافع و لا متعة لذة.(۱۹)

بیع ایک ایسے لین دین کے معاملہ کو کہتے ہیں جس میں منافع اور لذت اندوزی کو معاوضہ نہیں بنایا گیا ہو۔

گویا بیع صرف مادی اشیاء (اعیان) ہی کی درست ہے، فقہ مالکی میں بیع کی یہ مشہور تعریف ہے، مگر...... جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ خود فقہاء مالکیہ کے یہاں ایسی جزئیات بھی ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی دراصل حقوق ومنافع کی خرید وفروخت کو جائز سمجھتے ہیں، ذیل میں چند مثالیں ذکر کی جارہی ہیں:

۱۔ مشہور مالکی فقیہ علامہ دردیرؒ (م ۱۲۰۱ھ) نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص گھر کے اوپری خالی حصہ (حق تعلّی) کو فروخت کرے تو اس کی بیع درست ہوگی، گویا کہ ''حق تعلّی'' قابل فروخت ہے، وہ لکھتے ہیں:

وجاز بیع هواء...... ای فضاء فوق هواء بان یقول شخص لصاحب ارض بعنی عشرة اذرع مثلا فوق ما تبنیه بارضک...... ویملک الاعلی جمیع الهواء الذی فوق بناء الاسفل.(۲۰)

اور فضاء کی خرید وفروخت جائز ہے، مثلاً کوئی شخص زمین والے سے کہے تم اپنی مجوزہ عمارت کے اوپری حصہ سے دس زراع (ہاتھ) کے برابر مجھے فروخت کردو، تو اب وہ نچلی عمارت کے اوپری تمام حصہ کا مالک ہوجائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہاں جس ''حق تعلّی'' کو فروخت کیا گیا ہے، وہ کوئی عینی یا مادی چیز نہیں ہے، بلکہ

اس کا تعلق حقوق اور منافع ہی سے ہے۔

۲۔ الشرح الکبیر ہی میں ایک اور جزئیہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے شخص کی دیوار پر اپنی چھت کی لکڑی رکھے، تو اس صاحب دیوار کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ لکڑی گاڑنے کے حق کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے اور اس کی قیمت لے لے، دوسری صورت یہ ہے کہ یہ حق اس دوسرے شخص کو ایک متعینہ مدت کے لئے کرایہ پر دے دے، علامہ دردیرؒ لکھتے ہیں:

وجاز عقد علی غرز جذع فی حائط لآ خر بیعا او اجارۃ وھو مضمون ای لازم البقاء.(۲۱)

اس مسئلہ میں دیوار پر لکڑی رکھنے کا جو حق ہے وہ ظاہر ہے کہ غیر مادی ہے، بہ الفاظ دیگر وہ ایسا حق ہے کہ جس کا حسی یا عینی وجود نہیں ہے، مگر اس کے باوجود فقہاء مالکیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

۳۔ معروف مالکی فقیہ علامہ زرقانیؒ نے بیع کی اقسام ذکر کرتے ہوئے ایک قسم ''منافع کی بیع'' (بیع المنفعۃ) کی بھی ذکر کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

البیع جمع بیع، وجمع لاختلاف انواعہ، کبیع العین، وبیع الدین، وبیع المنفعة.(۲۲)

''بیع'' بیع کی جمع ہے، اس کی مختلف انواع کی وجہ سے اس کو جمع لایا گیا ہے، جیسے: عین کی بیع، دین کی بیع اور منفعت کی بیع۔

۴۔ اسی طرح امام سحنون بن سعید تنوخی نے عبدالرحمٰن بن قاسم کے واسطے سے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر سے گزرنے کے لئے راستہ خریدے تو کیا ایسا کرنا درست ہوگا؟

قلت: ارایت ان اشتریت طریقا فی دار رجل ،ایجوز ھذا فی قول مالک ؟قال :نعم .(۲۳)

میں نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے اگر میں کسی شخص کے گھر سے گزرنے کے لئے راستہ خریدوں، کیا یہ امام مالک کی رائے میں درست ہوگا؟ جواب دیا: ہاں!

۵۔ نیز یہ روایت بھی ملتی ہے کہ امام مالکؒ ''حق شرب،، کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں۔اسی طرح کی مختلف جزئیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فقہاء مالکیہ کے نزدیک بھی حقوق اور منافع کی خرید وفروخت درست ہے۔

حنفیہ کا نقطۂ نظر:

بیع کی تعریف کرتے ہوئے عام طور پر فقہاء احناف کہتے ہیں کہ بیع اس معاملہ کا نام ہے جس میں مال کا تبادلہ مال سے ہو:

هو مبادلة المال بالمال، (۲۴)

فقہاء احناف سے جو تعریفیں منقول ہیں، الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ ان سب کا حاصل یہی ہے، اور مال سے مراد مادی شئی ہے، گویا خرید وفروخت صرف مادی اشیاء کی ہوسکتی ہے، غیر مادی اشیاء جیسے حقوق ومنافع وغیرہ کی بیع جائز نہیں ہوگی، پس بیع کی تعریف میں ''مال'' کی شرط جوہری شرط ہے، حنفیہ کے نزدیک بیع کی یہی تعریف صحیح ہے، البتہ بعض حضرات نے اس میں معمولی سی تبدیلی کی ہے کہ:

مبادلة شي مرغوب لشئي مرغوب،

''مرغوب چیز کے مرغوب چیز سے تبادلہ کو مال کہتے ہیں۔'' (۲۵)

غالباً سب سے پہلے یہ تعبیر علامہ کاسانیؒ نے اختیار کی ہے اور بعد کو علامہ علاء الدین حصکفی وغیرہ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، پھر بعد کے اہل علم نے ان سے نقل کیا ہے۔ علامہ کاسانیؒ کی اس تعریف پر بعض فقہاء حنفیہ نے نقد کیا ہے، کہ اس میں ''شئی مرغوب فیہ'' (پسندیدہ چیز) کی قید لگائی گئی ہے، جس کی وجہ سے شراب یا اس جیسی دوسری وہ چیزیں جن کی خرید وفروخت صراحتاً ممنوع ہیں اور جو لوگ ان کے خوگر ہوتے ہیں، ان کو یہ مرغوب ہوتی ہیں، بھی جائز قرار پائیں گی، علامہ رشید احمد طحطاوی نے بھی اس تعریف پر تنقید کی ہے اور ''مبادلۃ المال بالمال'' ہی کو بیع کی صحیح تعریف قرار دیا ہے۔

البتہ علامہ ابن عابدین شامیؒ (م:۱۲۵۲ھ) نے صاحب درمختار کی اس تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علاء الدین حصکفیؒ کی مراد ''شئی مرغوب فیہ'' سے مال ہی ہے، جس کی طرف سلیم الفطرت لوگوں کو رغبت ہوتی ہے، چنانچہ خود مصنف نے مٹی، مردار اور خنزیز وغیرہ کو ''مرغوب فیہ'' کی قید سے باہر نکالا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک بھی ''شئی مرغوب فیہ'' سے مراد مال ہی ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

مرغوب فيه: اى مامن شانه ان ترغب اليه النفس، وهو المال ولذا احترز به الشارح عن التراب، والميتة، والدم، فانها ليست بمال. (۲۶)

غرض احناف کے نزدیک بیع کی تعریف میں ''مال'' کی شرط جوہری ہے اور مال سے ''مادی شئی'' مراد ہے، جبکہ دوسرے فقہاء کے نزدیک ٹھوس مادی چیز کے معنی مال کا وجود ضروری نہیں۔

مال کی حقیقت:

''مال'' کا لفظ قرآن وحدیث میں بکثرت استعمال ہوا ہے، صرف قرآن مجید میں اس کا استعمال نوے مقامات پر ہوا ہے اور مال سے متعلق باون سے زائد مضامین قرآن میں موجود ہیں، کہیں مال کو خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے، تو کہیں غلط طریقہ سے خرچ کرنے کی مذمت آئی ہے، کہیں مال کو حلال ذریعہ سے حاصل کرنے کی تاکید آئی ہے، تو کہیں مال میں ضرورت مندوں کے حق کو بتلایا گیا ہے۔

لغوی تحقیق

''مال'' کا لفظ عربی گرامر کی رو سے واحد ہے، اموال اس کی جمع ہے، اس کا ماٰخذ ''م، و، ل، یا ''م، ی، ل'' ہے، اہل لغت اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مال ہر وہ شئی ہے جس کا انسان مالک بنے، علامہ ابن منظورؒ (م:۷۱۱ھ) رقم طراز ہیں:

المال معروف ،ماملكته من جميع الاشياء.(۲۷)

علامہ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں کہ مال کا اطلاق اصل میں سونے اور چاندی کے ہر اس حصہ پر ہوتا تھا جس کا انسان مالک بن جائے، لیکن بعد میں اس کا اطلاق ایسی مادی اور عینی شئی پر ہونے لگا جسے انسان جمع کرتا ہے اور اس کا مالک بنتا ہے:

قال ابن الاثير: المال في الاصل ما يملك من الذهب والفضة، ثم اطلق على كل ما يقتني ويملك من الاعيان.(۲۸)

اہل عرب زیادہ تر مال کا اطلاق اونٹوں پر کرتے تھے، کیوں کہ ان کے مال کا اکثر حصہ اونٹ ہی ہوا کرتا تھا، لسان العرب میں ہے:

واكثر ما يطلق المال عند العرب على الابل، لانها كانت اكثر اموالهم.(۲۹)

مال کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے بڑی عمدہ بحث کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لغوی اعتبار سے مال ہر اس شئی کو کہتے ہیں جسے انسان محفوظ یا جمع کرے، خواہ وہ چیزیں مادی ہوں

جیسے کہ گھر، سامان اور جائیداد وغیرہ، یا منافع ہوں، جیسے رہائش اختیار کرنا (سکنی)، سواری کرنا (رکوب) اور پہننا (لبس) وغیرہ، لیکن وہ چیزیں جسے انسان محفوظ نہیں کرسکتا، ان پر لغوی اعتبار سے مال کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا:

المال فی اللغة: کل ما یقتنی ویحوزہ الانسان بالفعل سواء کان عینا ام منفعة، کذھب او فضة، او حیوان، او نبات، او منافع الشیٔ، کالرکوب، واللبس، والسکنی، واما مالایحوزہ الانسان فلا یسمی مالا فی اللغة کالطیر فی الھواء، والسمک فی الماء والاشجار فی الغابات والمعادن فی باطن الارض.(۳۰)

ڈاکٹر وہبہ مصطفیٰ زحیلیؒ کی اس وضاحت سے ظاہر ہے کہ لغوی اعتبار سے مال کا اطلاق اعیان (ٹھوس اشیاء) اور منافع دونوں پر ہوا کرتا ہے۔ مال کے سلسلہ میں علامہ قرطبیؒ (م:۶۷۱ھ) کی جو تحقیق ہے اسے پیش کردیا جائے تو مناسب ہوگا، وہ رقمطراز ہیں:

والمعروف من کلام العرب: ان کل ما تمول وتملک ھو مال، لقولہ علیہ السلام: یقول ابن آدم مالی مالی، وانما مالہ ما اکل فافنی او لبس فابلی او تصدق فامضی.(۳۱)

عربوں کے کلام میں یہ بات معروف ہے کہ ہر وہ چیز جو جمع کی جائے اور جس کا مالک ہوجائے، وہ مال ہے، چنانچہ حضورﷺ نے فرمایا: ابن آدم کہتا ہے: میرا مال، میرا مال، حالاں کہ اس کا مال تو وہی ہے جو اس نے کھایا اور ختم کردیا، جو اس نے پہنا اور بوسیدہ کردیا، یا صدقہ کیا اور خرچ کردیا۔

اصطلاح شرع میں:

علماء نے مال کی متعدد تعریفیں کی ہیں، جس سے مال کی حقیقت اور اس کے حدود اربعہ کا علم ہوتا ہے، ان اقوال کو جمع کیا جائے تو بنیادی طور پر دو آراء سامنے آتی ہیں، اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ انسانی زندگی میں جن چیزوں سے نفع حاصل کیا جاتا ہے، وہ دراصل تین طرح کی ہیں:

۱۔ ''اعیان'' وہ اشیاء جو مادی ہوں اور اپنا مستقل وجود رکھتی ہوں، ان کو ''اعیان'' کہا جاتا ہے، اس

بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ مال ہیں اور ان کی خرید وفروخت درست ہے، جیسے کہ زر، زمین اور جائیداد وغیرہ۔ (۳۲)

۲۔ ''منافع''، یعنی وہ اشیاء جو اپنا مستقل وجود نہیں رکھتی ہیں، بلکہ یہ اعیان سے متعلق ہوتی ہیں، جیسے مکان میں رہائش، یا سواریوں پر سواری کرنا وغیرہ، جیسا کہ پہلے بیان ہوا، منافع کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا ان کی خرید وفروخت درست ہے یا نہیں؟

احناف کے مشہور قول کے مطابق منافع کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ (منافع) مال کی تعریف سے خارج ہیں، اور بیع کے درست ہونے کیلئے مال ہونا ضروری ہے، البتہ جمہور فقہاء کے نزدیک اس کی خرید وفروخت درست ہے، کیونکہ ان حضرات کے نزدیک منافع بھی مال ہی میں سے ہے۔

۳۔ ''حقوق'': یعنی وہ انسانی مصلحتیں جن کا شریعت نے اعتبار کیا ہے، حقوق بھی دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو اعیان سے متعلق ہوں جیسے راستہ سے گزرنے کا حق، یا حق شرب اور حق تعلّی وغیرہ۔ جمہور کے نزدیک ان کی خرید وفروخت جائز ہے، البتہ حنفیہ کے یہاں جائز نہیں، دوسری قسم ان حقوق کی ہے جو اعیان سے متعلق نہ ہوں، جیسے بیوی پر شوہر کی اطاعت کا حق، یا ماں کا بچہ کی پرورش کا حق وغیرہ، انھیں ''غیر مالی حقوق'' بھی کہہ سکتے ہیں، حقوق کی اس قسم کے متعلق فقہاء کا اتفاق ہے کہ ان کی خرید وفروخت کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

اسی پس منظر میں یہ سوال پیدا ہوا کہ حقوق اور منافع مال ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، اس لئے پہلے فقہاء کی آراء ذکر کی جاتی ہے:

شوافع کی رائے:

شافعی فقہاء میں سے معروف تعریف علامہ سیوطیؒ کی ہے، اس تعریف سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شوافع کے نزدیک مال کا اطلاق مادی اور غیر مادی دونوں چیزوں پر ہوتا ہے، علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

لا يقع اسم مال الاعلى ماله قيمة يباع بها و تلزم متلفه و ان قلت: و مالا يطرحه الناس مثل الفلس و ما اشبه ذلک.(۳۳)

مال کا اطلاق ایسی چیزوں پر ہوگا جو قیمت والی ہوں، اس کو بیچا جائے، نیز تلف (ضائع) کرنے والے پر اس کا ضمان لازم ہوتا ہو، خواہ وہ مقدار میں کم ہی

ترجو الوليد وقد اعياک والده ...... ☆...... وما رجاوک بعد الوالد الولدا

کیوں نہ ہو اور یہ کہ لوگ اسے چھوڑ نہ دیتے ہوں، جیسے پیسے وغیرہ۔

مذکورہ تعریف پر غور کیا جائے تو چند نکات سامنے آتے ہیں، جو زیر بحث موضوع کیلئے مفید ہیں۔

۱۔ سیوطیؒ نے مال کی تعریف کرتے ہوئے جو لکھا ہے: **لا یقع اسم المال الاعلی ماله قیمة ،** اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی چیز کے مال ہونے یا نہ ہونے میں عُرف اور رواج کا خاص دخل ہے، عرف میں لوگ جس چیز کو قیمت والی شمار کریں وہ مال ہوگا، ورنہ وہ مال نہیں سمجھا جائیگا۔

۲۔ اس تعریف میں ایک فقرہ یہ بھی ہے ''مالہ قیمۃ'' اس میں لفظ ''ما'' ہے، جو عموم کا تقاضا کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ شئی جو قیمت والی ہو خواہ مادی چیزوں میں سے ہو یا منافع اور معنوی چیزوں میں سے، وہ مال شمار کی جائے گی، نیز لوگوں کا تعامل بھی اس میں شریک حال ہو۔

بعض شافعی فقہاء نے مال کی تعریف اس طرح کی ہے:

ان المال ما کان منتفعا به...... وهو اما اعیان او منافع. (۳۴)

مال کی حقیقت یہ ہے کہ وہ نفع بخش ہو...... نیز مال اعیان (مادی چیزوں) میں سے بھی ہوتا ہے اور منافع میں سے بھی۔

ان دونوں تعریفات کا ماحصل ایک ہی ہے، الفاظ اور تعبیر کا فرق ہے، گویا شوافع کے نزدیک مال کیلئے مادی اشیاء کا ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ مادی اور معنوی ہر دو قسم پر اس کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔

حنابلہ کی رائے:

اس سلسلہ میں حنابلہ کا نقطۂ نظر بھی وہی ہے جو حضرات شوافع کا ہے، یعنی مال کا تعلق مادی اور معنوی دونوں اشیاء سے ہے، لہٰذا اعیان کے ساتھ ساتھ حقوق ومنافع کی خرید وفروخت بھی درست ہوگی، اکثر فقہاء حنابلہ نے مال کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

الثالث: ان یکون المبیح مالا، وهو ما فیه منفعة مباحة لغیر حاجة او ضرورة. (۳۵)

اور (بیع کے جائز ہونے کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ) مبیع مال ہو اور مال وہ شئی ہے جس میں ایسی منفعت ہو جو بغیر حاجت وضرورت کے بھی مباح ہو۔

مندرجہ بالا تعریف سے حنابلہ کا نقطۂ نظر واضح ہوجاتا ہے کہ مال کے لئے مادی اشیاء کا ہونا

ضروری نہیں ہے، بلکہ مال مادی اور غیر مادی اشیاء کو عام ہے، چنانچہ حقوق اور منافع بھی مال میں داخل ہیں، اس تعریف میں موجود چند اشارات کو واضح کر دینا مناسب ہوگا:

۱۔ حنابلہ کے نزدیک کسی شئی کے مال بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ منفعت بخش ہو، خواہ اس کا تعلق عین سے ہو یا غیر عین سے، چنانچہ اگر کوئی چیز عینی ہونے کے باوجود نفع بخش نہ ہوتو اس کی خرید وفروخت درست نہیں ہوگی۔ علامہ علاء الدین مرداویؒ (۸۱۷۔۸۸۵ھ) اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فتقييده بما فيه منفعة، احتراز عن مالا منفعة فيه كالحشرات ونحوها.(۳۶)

۲۔ اس تعریف میں ''منفعۃ مباحۃ،، کا لفظ ہے ''مباحۃ،، کی قید سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جو منفعت جائز نہ ہو جیسے شراب اور سور وغیرہ، یہ اس سے خارج ہیں، شیخ مرداویؒ لکھتے ہیں:

وتقييده المنفعة بالاباحة، احتراز عن ما فيه منفعة غير مباحة، كالخمر والخنزير ونحوهما.(۳۷)

۳۔ مذکورہ تعریف میں ''لغیر حاجۃ اوضرورۃ،، کی بھی صراحت ہے، یعنی وہ منفعت جو بغیر ضرورت وحاجت کے بھی ہو پھر بھی اس کی بیع مباح ہوگی، اس سے ان صورتوں کو خارج کرنا مقصود ہے جو شریعت کے متفقہ اصول ''**الضرورات تبيح المحذورات**،، کے تحت آتے ہیں، جیسے مردار یا شریعت کی حرام کردہ دیگر اشیاء اضطرار و مجبوری کی حالت میں جائز ہوجاتی ہیں، کہ ان کا جائز ہونا استثنائی حالات سے متعلق ہے، اس لئے یہ مال شمار نہ ہوں گے۔

علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ (۵۴۱۔۶۲۰ھ) نے ایک اور مقام پر فقہ حنبلی کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نکاح میں جو مہر ہے، اس کا مال ہونا ضروری ہے۔

ان الصداق لا يكون الا مالا،(۳۸)

پھر اس کے بعد ایک جزئیہ لکھا ہے کہ منفعت کو مہر کے طور پر قبول کیا جائے گا، وہ لکھتے ہیں:

وكل ما جاز ثمنا في بيع او اجرة في الاجارة من العين والدين والحال والمؤجل والقليل والكثير، ومنافع الحر، والعبد وغيرهما جاز ان يكون صداقا.(۳۹)

مالکیہ کی رائے:

فقہاء مالکیہ کے یہاں کچھ اختلاف ہے، جیسا کہ خود بیع کی تعریف میں ان کے یہاں تعبیر کا اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن غور کرنے سے جو بات واضح ہوجاتی ہے وہ یہی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی مال کے لئے مادی شئی کا ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ حقوق اور منافع بھی اس تعریف کے تحت داخل ہیں، ذیل میں چند جزئیات اور عبارتیں پیش کی جارہی ہیں، جن سے بخوبی اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

۱۔ علامہ جزیریؒ نے فقہاء مالکیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ایک مسئلہ لکھا ہے کہ نکاح میں منافع کو بطور مہر متعین کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر منافع کو مہر متعین کرہی دیا گیا تو یہ تعیین درست ہوگی:

ان المنافع من تعليم القرآن ونحوه او سكنى الدار او خدمة، ففيها خلاف، قال مالك: انها لا تصح مهرا ابتداء ان يسميها مهرا، وقال ابن القاسم بها تصح مهرا مع الكراهة، وبعض ائمة المالكية يجيزها بلا كراهة...... ولكن اذا سمى شخص منفعة من هذه المنافع مهرا فان العقد يصح على المعتمد، ويثبت للمراة المنفعة التى سميت لها، وهذا هو المشهور.(۴۰)

منافع یعنی تعلیم قرآن وغیرہ یا خدمت کے مہر ہونے میں اختلاف ہے، امام مالک کہتے ہیں کہ ابتداء یہ مہر نہیں ہوسکتا، اگر چہ اس کو مہر مقرر کرے، ابن قاسم کی رائے ہے کہ اسے مہر کہنا صحیح ہے مگر کراہت کے ساتھ، جبکہ بعض مالکی ائمہ اسے بلا کراہت جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب کوئی شخص ان منافع میں سے کسی کو مہر مقرر کرہی دے، تو معتبر قول کے مطابق عقد درست ہوجائے گا اور عورت کے لئے وہ منفعت ثابت ہوجائے گی، جو مقرر کی گئی ہے، یہی مشہور ہے۔

۲۔ مشہور مالکی فقیہ علامہ دردیرؒ مال کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شرعا ہر وہ چیز جس کا مالک ہوا جاسکے ''مال'' ہے خواہ کم ہی کیوں نہ ہو:

كل مايملك شرعا ولو قل.(۴۱)

۳۔ ایک اور مالکی فقیہ امام ابو اسحٰق شاطبیؒ (م:۷۹۰ھ) نے مال کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

المال ما يقع عليه الملك و يستبدبه المالك،(۴۲)

مال نام ہے ہراس چیز کا جس پر ملکیت واقع ہو سکے اور اس چیز کے تئیں مالک کو اختیار اور استبداد کا حق حاصل ہو جائے۔ظاہر ہے کہ مذکورہ تعریف کی رو سے مال کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جس پر ملکیت واقع ہو سکتی ہو اور ملکیت کہتے ہی ہیں اس نسبت کو جو مالک اور مملوک کے درمیان پائی جاتی ہے،اور یہ نسبت کبھی عینی چیزوں کی ہوتی ہے اور کبھی معنوی چیزوں کی،گویا کہ ''مایقع علیہ الملک'' عام ہے اور اس میں عینی اور معنوی دونوں طرح کی چیزیں داخل ہیں،غرض کہ فقہاء مالکیہ کا بھی نقطہ نظر یہی ہے کہ ''مال'' مادی اور معنوی دونوں طرح کی چیزوں کو کہتے ہیں۔اس تفصیل سے یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ جمہور فقہاء مالکیہ،شوافع اور حنابلہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مال ہونے کے لئے شئی کا ''مادہ'' ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ مادی اور معنوی دونوں چیزیں ''مال'' میں داخل ہیں۔مشہور محقق شیخ عبدالرحمٰن الجزیریؒ نے جمہور کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

الغرض منه امر ،الاول ،ان يكون ذلك العقد مفيدا لملك العين ،اولملك المنفعةعلى التابيد كحق المرور .(۴۳)

اس سے دو باتیں مقصود ہیں: پہلی یہ کہ عقد بیع ملکیت عین یا ایسی منفعت کی ملکیت کے لئے مفید ہو جو منفعت دوامی ہو،جیسے گذرنے کا حق۔

حنفیہ کا نقطہ نظر:

''مال'' کی تعریف کے سلسلہ میں فقہاء احناف کی عبارتیں مختلف ہیں،ممکن ہے اس کی وجہ عرف وحالات کی تبدیلی ان تعریفات کو دو،زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف)۱۔ **ما يميل اليه الطبع ،ويمكن ادخاره الى وقت الحاجة.(۴۴)**

مال سے مراد وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہو،اور اسے وقتِ ضرورت کے لئے جمع کیا جاسکتا ہو۔مال کی یہ تعریف علامہ شامی نے کی ہے۔

۲۔ **المال مامن شانه ان يدخر للا نتفاع وقت الحاجة.(۴۵)**

مال سے مراد ہر وہ شئی ہے جسے بہ وقت ضرورت نفع اٹھانے کے لئے جمع کیا جاسکتا ہو۔اس تعریف کو بھی علامہ شامی نے تلویح کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

۳۔ **ما يميل اليه الطبع ويجرى فيه البذل والمنع.(۴۶)**

مال ہر وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو، نیز اس کو خرچ کیا اور محفوظ رکھا جاتا ہو۔اس تعریف کو صاحب درر شرح غرر نے نقل کیا ہے۔

۴۔ **والمال ما یمکن احرازہ.(۴۷)**

مال سے مراد وہ چیز ہے جس کا جمع کرنا ممکن ہو۔یہ تعریف صاحب ہدایہ نے نقل کی ہے۔

۵۔ **المراد بالمال عین یجری فیه التنافس والابتذال.(۴۸)**

مال سے مراد ہر وہ شئی ہے جو کہ عین (مادی) ہو، نیز اس میں لین دین مروج ہو۔اس تعریف کو صاحب مجمع الانھر نے نقل کیا ہے۔مال کی ان تعریفات سے واضح ہے کہ مال ہونے کے لئے دو چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے:اول:اس چیز کی طرف طبیعت کا میلان ہو۔دوسرے:اس چیز کی ذخیرہ اندوزی ممکن ہو۔

پہلی شرط کی بنیاد پر وہ چیزیں مال کی تعریف سے خارج ہو جائیں گی جن کی طرف طبیعت کا میلان نہ ہو، جیسے فضلات وغیرہ،اور دوسری شرط کی وجہ سے وہ تمام چیزیں مال شمار نہیں کی جائیں گی، جن کی ذخیرہ اندوزی ممکن نہ ہو،اس سے مراد معنوی چیزیں ہیں، جیسے سورج کی شعاع، ہوا اور تصنیف وغیرہ۔

احناف کے ہاں مال کی ایک اور تعریف:

(ب) حنفیہ کے یہاں دوسری تعریف اس طرح کی گئی ہے:

۱۔ **ان المال اسم لغیر الادمی، مما خلق لمصالح الادمی، و امکن احرازہ والتصرف فیه علی وجه الاختیار.(۴۹)**

مال نام ہے انسان کے علاوہ ان چیزوں کا جو مصالح انسانی کے لئے پیدا کی گی ہوں اور انھیں محفوظ کرنا، نیز ان میں اختیاری طور پر تصرف کرنا ممکن ہو۔

۲۔ **ان المالیة تثبت بتمول الناس کافة او بعضهم.(۵۰)**

کسی چیز کی مالیت تمام یا بعض لوگوں کے اس کو بطور مال استعمال کرنے کی وجہ سے ثابت ہو جاتی ہے۔پہلی تعریف شامی نے بحر کے واسطہ سے حاوی قدسی سے نقل کی ہے اور دوسری تعریف خود شامی ہی نے کی ہے۔

۳۔ **مالیس یعد مالا بین الناس فبیعه باطل.(۵۱)**

ہر وہ چیز جو عرف میں مال شمار نہ کی جاتی ہو، اس کی بیع باطل ہوگی۔

۴۔ ان المال کما صرح به اهل الاصول، وهو : ما يتمول، ای يدخر للحاجة. وهو خاص بالاعيان، فخرج به تمليك المنافع. (۵۲)..... (جاری ہے)

حواشی وحوالہ جات

(۱) حاشیۃ ابن عابدین: ۹/۷، ط: بیروت، ہندیہ: ۲/۳، کتاب البیوع، ط: بیروت

(۲) رد المحتار مع الدر: ۱۰/۷ کتاب البیوع

(۳) کتاب التعریفات للجرجانی: ۵۷، نیز ملاحظہ ہو: لسان العرب: ۵۵۶/۱۔ ۵۵۸، القاموس المحیط: ۳۵/۱، الفقہ الاسلامی وارلتہ: ۲۴۴/۴

(۴) البحر الرائق: ۴۲۹/۵، نیز دیکھئے: الدر المختار مع الرد: ۱۰/۷، کتاب البیوع

(۵) المجموع شرح المھذب: ۱۴۹/۹

(۶) الروض المربع: ۲۶۷/۲

(۷) الانصاف مع المقنع: ۵/۱۱

(۸) الفقہ المنھجی: ۵/۲

(۹) فتح القدیر لابن الھمام: ۲۴۷/۶، کتاب البیوع

(۱۰) المجموع شرح المھذب: ۱۴۹/۹

(۱۱) تحفۃ المحتاج علی شرح المنھاج: ۲۱۵/۴

(۱۲) المجموع شرح المھذب: ۱۴۹/۹

(۱۳) تحفۃ المحتاج بشرح المنھاج للھیتمی: ۲۱۵/۴

(۱۴) حواشی الشروانی علی تحفۃ المحتاج: ۲۱۵/۴

(۱۵) حاشیۃ الباجوری علی ابن قاسم الغزی، ط: الحلبی

(۱۶) منتھی الارادات: ۲۴۹/۲

(۱۷) الانصاف مع المقنع: ۷/۱۱

(۱۸) الروض المربع: ۲۶۷/۲

(۱۹) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر:۴/۳

(۲۰) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی للدردیر۴/۲۲،مختصر خلیل:۱۷۰

(۲۱) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی:۴/۲۲،مختصر خلیل:۱۷۰

(۲۲) المدونۃ الکبری:۳/۱۶۷

(۲۳) المدونۃ الکبری:۳/۲۰۸

(۲۴) فتح القدیر لابن الھمام:۶/۲۴۷،کتاب البیوع

(۲۵) بدائع الصنائع للکاسانی:۴/۲۱۹،کتاب البیوع

(۲۶) حاشیہ ابن عابدین الشامی:۷/۱۱۔۱۲

(۲۷) لسان العرب لابن منظور:۱۳/۲۲۲،القاموس المحیط:۴/۲۹۸

(۲۸) لسان العرب:۱۳/۲۲۳،الحق فی الشریعۃ الاسلامیۃ للدکتور محمد طموم:۱۴۶

(۲۹) لسان العرب:۱۳/۲۲۳

(۳۰) الفقہ الاسلامی وادلتہ:۴/۴۰

(۳۱) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی

(۳۲) بدائع الصنائع:۶/۲۶۳،نیز دیکھئے:الفروق:۱/۱۹۵

(۳۳) الاشباہ والنظائر للسیرطی،خاتمہ فی ضبط المال والمعقر

(۳۴) قواعد الزرکشی الشافعی

(۳۵) الاقناع لشرف الدین المقدسی:۲/۱۵۶،منتھی الارادات لابن النجار:۲/۲۵۴،المقنع لابن قدامۃ المقدسی:۱۱/۲۳،الکافی لابن قدامۃ المقدسی:۳/۷،الروض المربع للبھوتی:۲/۲۶۸

(۳۶) الانصاف:۱۱/۲۳،مع المقنع والشرح الکبیر

(۳۷) الانصاف لعلاء الدین المرداوی:۱۱/۲۳

(۳۸) المغنی لابن قدامۃ:۱۰/۱۰۸،الفصل الثالث،کتاب الصداق

(۳۹) المغنی لابن قدامہ:۱۰/۱۰۸،کتاب الصداق

(۴۰) دیکھئے:الشرح الصغیر وحاشیۃ الصاوی علیہ:۲/۴۴۸،حاشیۃ الدسوقی:۲/۳۰۹

(۴۱) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی:۴/۲۱۔۲۳،مختصر خلیل:۱۷۰

(۴۲) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی:۴/۲۱۔۲۳،مختصر خلیل:۱۷۰

(۴۳) ہدایۃ المجتھد،کتاب البیوع:۲/۱۶۵

(۴۴) ردالمحتار:۷/۱۰، کتاب البیوع، البحر الرائق:۵/۲۵۶

(۴۵) ردالمحتار:۷/۲۳۵، باب البیع الفاسد

(۴۶) حوالہ سابق

(۴۷) الھدایۃ:۳/۳۵

(۴۸) مجمع الانہر:۲/۳

(۴۹) ردالمحتار:۷/۱۰، کتاب البیوع، البحر الرائق:۵/۳۵۷

(۵۰) ردالمحتار:۷/۱۰، کتاب البیوع، البحر الرائق:۵/۲۵۶، جامع الرموز:۲/۳۰۶

(۵۱) المجلۃ:۲۱۰، بحوالہ: المدخل الفقھی العام للورقاء:۳/۱۱۶

(۵۲) ردالمحتار، کتاب الزکاۃ

اسکولوں اور دینی مدارس کے طلباء وطالبات کے لئے!

مختصر نصابِ فقہ سوالاً جواباً

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی
خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی

رائیت الناس قد مالوا الی من عندہ مال ☆ومن لا عندہ مال عنہ الناس قد مالوا